PD – JUNE 2025

اجتماعی مطالعہ قرآن ۔ جون ۲۰۲۵

سورہ الفتح۔ آیت ۲۸ تا ۲۹

آیت۔۔۔۲۸

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ؕ﴿۲۸﴾

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے 51۔

تفسیر تفہیم القرآن۔ مولانا مودودی

سورۃ الۡفَتۡح حاشیہ نمبر :51

اس مقام پر یہ بات ارشاد فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ حدیبیہ میں جب معاہدہ صلح لکھا جانے لگا تھا اس وقت کفار مکہ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسم گرامی کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ لکھنے پر اعتراض کیا تھا اور ان کے اصرار پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود معاہدے کی تحریر میں سے یہ الفاظ مٹا دیے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہمارے رسول کا رسول ہونا تو ایک حقیقت ہے جس میں کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس کو اگر کچھ لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ اس کے حقیقت ہونے پر صرف ہماری شہادت کافی ہے۔ ان کے انکار کر دینے سے یہ حقیقت بدل نہیں جائے گی، بلکہ ان کے علی الرَّغم اس ہدایت اور اس دین حق کو پوری جنس دین پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا جسے لے کر یہ رسول ہماری طرف سے آیا ہے، خواہ یہ منکرین سے روکنے کے لیے کتنا ہی زور مار کر دیکھ لیں۔

"پوری جنس دین" سے مراد زندگی کے وہ تمام نظام ہیں جو "دین" کی نوعیت رکھتے ہیں۔ اس کی مفصل تشریح ہم اس سے پہلے تفہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورۃ زمر، حاشیہ 3، اور تفسیر سورۃ شوریٰ حاشیہ 20 میں کر چکے ہیں۔ یہاں جو بات اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کا مقصد محض اس دین کی تبلیغ نہ تھا بلکہ اسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام نظامات زندگی پر غالب کر دینا تھا۔ دوسرے الفاظ میں آپ یہ دین اس لیے نہیں لائے تھے کہ زندگی کے سارے شعبوں پر غلبہ تو ہو کسی دین باطل کا اور اس کی قہرمانی کے تحت یہ دین ان حدود کے اندر سکڑ کر رہے جن میں دین غالب اسے جینے کی اجازت دے دے۔ بلکہ اسے آپ اس لیے لائے تھے کہ زندگی کا غالب دین یہ ہو اور دوسرا کوئی دین اگر جیے بھی تو ان حدود کے اندر جیے جن میں یہ اسے جینے کی اجازت دے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القران، جلد چہارم، تفسیر سورۃ زمر، حاشیہ 48)۔

اسلام کے غلبہ کی بشارت

یہ آیت معمولی تغیر الفاظ کے ساتھ سورۃ توبہ میں بھی گزر چکی ہے اور آگے سورۃ صف میں بھی آئے گی۔ سورۃ توبہ کی تفسیر میں ہم اس کے موقع پر محل اور اس کے مدعا کی وضاحت کر چکے ہیں۔ یہ دوسرے الفاظ میں فتح مکہ کی بشارت ہے اس لیے کہ اسی کی فتح پر پورے ملک کے اندر دین حق کے غلبہ کا انحصار تھا چنانچہ اس کی فتح ہو جانے کے بعد تمام ادیان، جو عرب میں موجود تھے، اسلام کے آگے سرنگوں ہو گئے اور تھوڑی ہی مدت کے اندر وہ وقت آ گیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اعلان فرما دیا کہ اس ملک میں دو دین مجتمع نہیں ہو سکتے۔ فرمایا کہ اسی خدا نے، جس نے اپنی وہ شانیں دکھائی ہیں، جو اوپر بیان ہوئیں، اپنے رسول کو اپنی ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اب یہ تقدیر کا اٹل فیصلہ ہے، نہ اس کو مشرکین بدل سکتے اور نہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ سب کے علی الرغم نافذ ہو کے رہے گا۔ سورۃ توبہ میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

یریدون ان یطفوا انور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون، ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون 33-32

(یہود و نصاریٰ) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونک سے بجھا دیں لیکن اللہ کا اٹل فیلہ ہے کہ وہ ان کافروں کے علی الرغم اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا۔ وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے مشرکوں کے علی الرغم!

اس آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالیے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ اوپر والی آیت میں اہل کتاب کو چیلنج ہے اور نیچے والی آیت میں مشرکین عرب کو سر زمین عرب میں انہی گروہوں سے اسلام کا مقابلہ تھا بعد میں یہ میدان مقابلہ بہت وسیع ہو گیا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اسلام کے حامل رہے ہر جگہ اللہ نے ان کے دین کو غالب کیا۔

و کفی باللہ شھیداً یعنی اس بشارت کو مخالفین خواہ کتنی ہی بعید از قیاس سمجھیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے اور اس کی صداقت کے لیے اللہ کی گواہی کافی ہے۔ یہ مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ تم مخالفین کی مخالفت اور حالات کی نامساعدت سے ذرا بھی ہراساں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کے رہے گا۔ سورۃ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں جو بات ولو کرہ الکافرون اور لو کرہ المشرکون کے الفاظ میں فرمائی گی ہے وہی بات یہاں دوسرے الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے۔

آیت ۔۔۔ ۲۹

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۢ ۲۹

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت 52 اور آپس میں رحیم ہیں 53۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں 54۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں 55۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی 56 ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا 57 ہے۔

تفسیر تفہیم القرآن۔ مولانا مودودی

سورۃالفَتۡح حاشیہ نمبر :52

اصل الفاظ میں اَشِدَّآءُعَلَی الْکُفَّارِ۔ عربی زبان میں کہتے ہیں فلانٌ شَدِیۡدٌ عَلَیۡہِ، فلاں شخص اس پر شدید ہے، یعنی اس کو رام کرنا اور اپنے مطلب پر لانا اس کے لیے مشکل ہے۔ کفار پر اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سخت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ درشتی اور تند خوئی سے پیش آتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت، اور ایمانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انھیں کافر جدھر چاہیں موڑ دیں۔ وہ نرم نہیں ہیں کہ کافر انھیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں۔ انھیں کسی خوف سے دبایا نہیں جاسکتا۔ انھیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جاسکتا۔ کافروں میں یہ طاقت نہیں ہے کہ انھیں اس مقصد عظیم سے ہٹا دیں جس کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دینے کے لیے اٹھے ہیں۔

سورۃالفَتۡح حاشیہ نمبر :53

یعنی ان کی سختی جو کچھ بھی ہے دشمنان دین کے لیے ہے، اہل ایمان کے لیے نہیں ہے۔ اہل ایمان کے مقابلے میں وہ نرم ہیں، رحیم و شفیق ہیں، ہمدرد و غمگسار ہیں۔ اصول اور مقصد کے اتحاد نے ان کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت اور ہم رنگی و سازگاری پیدا کر دی ہے۔

سورۃالفَتۡح حاشیہ نمبر :54

اس سے مراد پیشانی کا وہ گٹہ نہیں ہے جو سجدے کرنے کی وجہ سے بعض نمازیوں کے چہرے پر پڑ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد خدا ترسی، کریم النفسی، شرافت اور حسن اخلاق کے وہ آثار ہیں جو خدا کے آگے جھکنے کی وجہ سے فطرۃً آدمی کے چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ انسان کا چہرہ ایک کھلی کتاب ہوتا ہے جس کے صفحات پر آدمی کے نفس کی کیفیات بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔ ایک متکبر انسان کا چہرہ ایک متواضع اور منکسر المزاج آدمی کے چہرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک بد اخلاق آدمی کا چہرہ ایک نیک نفس اور خوش خلق آدمی کے چہرے سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ ایک لفنگے اور بدکار آدمی کی صورت اور ایک شریف پاک باز آدمی کی سورت میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہ ساتھی تو ایسے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی ایک آدمی بیک نظر یہ معلوم کر سکتا ہے کہ یہ خیر الخلائق ہیں، کیونکہ خدا پرستی کا نور ان کے چہروں پر چمک رہا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق امام مالک (رح) بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فوجیں شام کی سرزمین میں داخل ہوئیں تو شام کے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے تھے یہ تو اسی شان کے لوگ نظر آتے ہیں۔

سورۃالفَتۡح حاشیہ نمبر:55

غالباً یہ اشارہ کتاب استثناء، باب 33، آیات 2۔3 کی طرف ہے جن میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد مبارک کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے صحابہ کے لیے "قدسیوں" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اگر صحابہ کرام کی کوئی صفت توراۃ میں بیان ہوئی تھی تو وہ اب موجودہ محرف توراۃ میں نہیں ملتی۔

سورۃالفَتۡح حاشیہ نمبر:56

یہ تمثیل حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ایک وعظ میں بیان ہوئی ہے جسے بائیبل کے عہد نامہ جدید میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

"اور اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے۔ پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے، پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا۔۔ وہ رائی کے دانے کے مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بو دیا گیا تو اگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔" (مرقس، بابا 4، آیات 26 تا 32۔ اس وعظ کا آخری حصہ انجیل متی، باب 13، آیات 31۔32 میں بھی ہے)۔

سورۃالفَتۡح حاشیہ نمبر:57

ایک گروہ اس آیت میں مِنۡهُمۡ کی مِنۡ کو تبعیض کے معنی میں لیتا ہے اور آیت کا ترجمہ یہ کرتا ہے کہ "ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے"۔ اس طرح یہ لوگ صحابہ کرام پر طعن کا راستہ نکالتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے صحابہ کرام میں سے بہت سے لوگ مومن و صالح نہ تھے۔ لیکن یہ تفسیر اسی سورۃ کی آیات 4۔5۔18 اور 26 کے خلاف پڑتی ہے، اور خود اس آیت کے ابتدائی فقروں سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ آیات 4۔5۔ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کے دلوں میں سکنیت نازل کیے جانے اور ان کے ایمان میں اضافہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے جو حدیبیہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے، اور بالا استثناء ان سب کو جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی ہے۔ آیت 18 میں اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کے حق میں اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے جنہوں نے درخت کے نیچے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیعت کی تھی، اور اس میں بھی کوئی استثناء نہیں ہے۔ آیت 26 میں بھی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام ساتھیوں کے لیے مومنین کا لفظ استعمال کیا ہے، ان کے اوپر اپنی سکنیت نازل کرنے کی خبر دی ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ کلمہ تقوی کی پابندی کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل ہیں۔ یہاں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ان میں سے جو مومن ہیں صرف ان ہی کے حق میں یہ خبر دی جارہی ہے۔ پھر خود اس آیت کے بھی ابتدائی فقروں میں جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ ان سب لوگوں کے لیے ہے جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے۔ الفاظ یہ ہیں کہ جو لوگ بھی آپ کے ساتھی ہیں وہ ایسے اور ایسے ہیں۔ اس کے بعد یکایک آخری فقرے پر پہنچ کر یہ ارشاد فرمانے کا آخر کیا موقع ہو سکتا تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ مومن و صالح تھے اور کچھ نہ تھے۔ اس لیے یہاں مِنۡ کو تبعیض کے معنی میں لینا نظم کلام کے خلاف ہے۔ درحقیقت یہاں مِنۡ بیان کے لیے ہے جس طرح آیت فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ (بتوں کی گندگی سے بچو) میں مِنۡ تبعیض کے لیے نہیں بلکہ لازماً بیان ہی کے لیے ہے، ورنہ آیت کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ "بتوں میں سے جو ناپاک ہیں ان سے پرہیز کرو، اور اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ کچھ بت پاک بھی قرار پائیں گے جن کی پرستش سے پرہیز لازم نہ ہو گا۔

تفسیر تدبر القرآن ۔۔۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب

یہ آخر میں ان تمثیلوں کا حوالہ ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کی صفات اور اسلام کی تاریخی غلبہ سے متعلق توراۃ وانجیل میں وارد ہیں۔

اس حوالہ سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو سابق صحیفوں کے آئینہ میں اس کی تصویر دکھادی جائے تاکہ ان کو بشارت بھی حاصل ہو اور وہ اپنی ان صفات سے اچھی طرح آشنا بھی ہو جائیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تصف دیکھنا چاہا ہے اور جو خلق میں ان کو متعارف کرانے والی ہیں۔

دوسرا یہ کہ اہل کتاب کو متنبہ کیا جائے کہ وہ جان کر انجان بننے اور حق کو چھپانے کی کوشش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے سے اس لیے آگاہ کیا تھا کہ جب وقت آئے گا وہ شہادت دینے والے بنیں گے۔ لیکن یہ ان کی بدبختی ہے کہ وہ شہادت دینے کے بجائے مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تیسرا یہ کہ مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اسی سرزمین میں ان کو غلبہ تو ضرور عطا فرمائے گا لیکن یہ تملبہ باتدریج ظہور میں آئے گا۔ نہ انھیں جلد بازی کرنی چاہیے نہ حالات سے مایوس ہونا چاہیے۔ جو بیج انھوں نے ڈالا ہے صبر واستقامت کے ساتھ اس کی آبیاری اور دیکھ بھال میں لگے رہیں۔ وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسا تناور درخت بنائے گا کہ ایک دنیا اس کے سایہ میں پناہ لے گی۔

توراۃ میں وارد ایک تمثیل کی طرف اشارہ

محمد رسول اللہ کا ترجمہ عام طور پر مترجموں نے مبتدا اور خبر کا کیا ہے لیکن میرے نزدیک رسول اللہ یہاں صفت اور عطف بیان کے حکم میں ہے۔ خبر اس کے آگے اشدآء وعلی الکفار۔۔ الایۃ ہے۔ یہ توراۃ میں وارد ایک تمثیل کی طرف اشارہ ہے جس میں پورے زمرہ مومنین کی تصویر اس طرح پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس میں گل سرسبد کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر رسول اللہ پر وقف اور والذین معہ سے استیناف مان لیا جائیت و آیت کی یہ بلاغت ختم ہو جائے گی۔ اس پورے گروپ کا اصل جمال اسی وصرت میں نمایاں ہوگا جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس میں سرتاج کی حیثیت حاصل رہے جیسی کہ فی الواقع ہے۔

چٹان کی طرح سخت موم کی طرح نرم

والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم یہ آپ کی اور آپ کے صحابہ کی ایک امتیازی خصوصیت بیان ہوئی ہے کہ وہ کفار کے لیے ایک چٹان کی طرح مضبوط و سخت اور باہمد گر موم کی طرح نرم ہیں یعنی ان کی تمام حمیت و عصبیت ایمان و اسلام پر قائم ہے۔ جو ایمان و اسلام میں ان کے شریک نہیں ہیں وہ اگر ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیں تو ان کے اندر انگلی دھنسانے کی کوئی گنجائش نہیں پائیں گے۔ برعکس اس کے اپنے شریک ایمان بھائیوں کے لیے وہ سراپا رحمت و شفقت ہیں۔ یہی مضمون بعینیہ اسی سیاق و سباق کے ساتھ سورۃ مائدہ کی آیت 54 میں اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین کے الفاظ سے بیان ہوا ہے چونکہ یہ دونوں آیتیں ایک ہی مضمون کی ہیں اس وجہ سے وہاں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری حصہ یہاں بھی نقل کیے دیتے ہیں تاکہ اس ٹکڑے کا صحیح مفہوم اس کی نظری کروشنی میں واضح ہو جائے۔ اذلۃ علی المومنین عزۃ علی الکفرین کی وضاحت کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے اذتۃ دلیل کی جمع ہے۔ عربی میں یہ لفظ جیسا کہ آل عمران آیت 123 کے تحت ہو بتا چکے ہیں، اچھے اور برے دونوں معنوں میں آتا ہے۔نج یہ اچھے معنوں میں آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی نرم ہو؟ نرم مزاج، فرمان بردار، متواضع اور سہل الانقیاد کے ہوتے ہیں۔ ذلول کا لفظ بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ فرمان بردار اونٹنی کو ناقۃ ذلول، کہتے ہیں۔ 'ذاعزۃ عزیز کی جمع ہے۔ یہ لفظ بالکل ذلیل کے مقابل لفظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے معنی ہیں سخت، شکل، بھاری، نقابل شکست نا قابل عبور، عسیر الانقیاد اگر کسی چیز کے متعلق کہیں کہ ھو عزیز علی تو اس کے معنی ہوں گے کہ وہ چیز مجھ پر بھاری اور شکل ہے۔ اس کو رام کرنا اور قابو میں کرنا میرے لیے دشوار ہے۔"

اسی ضمن میں ہم نے شدید علی کا مفہوم بھی اسی طرح واضح کیا ہے۔

"یہی مفہوم شدید علی کا بھی ہوتا ہے۔ کسی حماسی کا نہایت عمدہ شعر ہے۔

اذا المرء اعیتہ المروۃ ناشئاً فمطلبہا کھلا علیہ شدید

(اگر اٹھتی جوانی میں اولوالعزمی پیدا کرنے سے آدمی قاصر رہ جاتا ہے تو ادھیڑ پن میں اس کا حاصل کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔)

"مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے تو وہ نہایت نرم خو، بھولے بھالے، ہر پہلو سے لچک قبول کرنے والے اور ہر سانچے میں ڈھل جانے والے ہوں گے لیکن کافروں کے لیے وہ پتھر کی چٹان ہوں گے۔ وہ اگر اپنے اغراض و مقاصد کے لیے ان کو استعمال کرنا چاہیں گے تو کہیں سے انگلی دھنسانے کی جگہ نہ پا سکیں گے سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ کبوتر کے مانند بے آزاد اور سانپ کی مانند ہوشیار بنو، اس میں بھی یہی دونوں پہلو ملحوظ ہیں۔ 1"

یہ امر بھی یہاں ملحوظ رہے کہ جس سیاق و سباق میں یہ سورۃ مائدہ والی آیت آئی ہے بعینہٖ اسی سیاق و سباق میں یہ الفتح والی آیت بھی وارد ہوئی ہے۔ وہاں ہم واضح کر چکے ہیں کہ منافقین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کا کردار اسلامی کردار کے بالکل برعکس واقع ہوا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اہل ایمان کے لیے نہایت سہل الانقیاد اور کافر کے لیے عسیر الانقیاد ہوتے۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ کفار کے ہاتھوں میں تو وہ کھلونا بنے ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کو دھوکا دینے میں بڑے شاطر ہیں۔ اسی طرح اس سورۃ میں بھی یاد ہوگا۔ منافقین کا کردار آیات 18-6 میں تفصیل سے زیر بحث آیا ہے۔ آخر میں مسلمانوں کے اجتماعی کردار کا یہ پہلو اس لیے نمایاں کیا گیا ہے کہ منافقین اس آئینہ میں اپنی صورت دیکھیں کہ مسلمانوں کا کردار کیا ہونا چاہیے اور وہ کس کردار کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ پیغمبر اور اس کے جاں نثار ساتھیوں کے لیے تو روز بد کے منتظر ہیں اور کفار کو جا جا کر اطمینان دلا رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے آپ لوگوں کو کوئی خطرہ پیش آیا تو ہم آپ ہی لوگوں کا ساتھ دیں گے۔

اشداء علی الکفار کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کے باعث بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ اسلام روزمرہ زندگی کے سلوک و طرز عمل میں یہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کا رویہ ہر غیر مسلم کے ساتھ کرخت اور بیزار نہ ہو حالانکہ یہ بات نہ قرآن کے الفاظ سے نکلتی ہے اور نہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کے طرز عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ہم نے الفاظ اور نظائر کی روشنی میں آیت کی جو تاویل کی ہے امید ہے کہ وہ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے کافی ہوگی۔

خلق اور خالق دونوں کے ساتھ مربوط زندگی

تریٰہم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً یہ ان کی توجہ الی اللہ ان کی شب بیداری اور ان کی تہجد گزاری کی تصویر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بھی ان کو دیکھے گا اس پر پہلی ہی نظر میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ دنیا کے عام انسانوں سے بالکل مختلف یہ ایسے قدسی صفت لوگوں کی ایک جماعت ہے جن کی زندگی کا اصلی نصب العین خدا کی رضا طلبی ہے چنانچہ کبھی وہ ان کو رکوع ہو پائے گا کبھی سجود میں اوپر والے ٹکڑے میں ان کا وہ پہلو سامنے آیا ہے جس کا تعلق خلق سے ہے۔ اس ٹکڑے میں ان کی زندگی کے اس پہلو کی طرف اشارہ ہے جس کا تعلق خالق سے ہے یعنی خلق کے ساتھ بھی ان کا تعلق بالکل صحیح بنیاد پر قائم ہے کہ وہ اہل باطل کے مقابل میں نہایت سخت اور اہل حق کے لیے نہایت نرم خو ہیں اور خالق کے ساتھ بھی ان کا ربط نہایت محکم و استوار ہے کہ کسی وقت بھی وہ اس سے غافل نہیں ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں سندیدہ زندگی وہی ہے جو خلق اور خالق دونوں سے بالکل صحیح بنیاد پر مربوط ہو۔ اگر اس میں کسی پہلو سے خدا بھی خلل پیدا ہو جائے تو انسان کی ساری زندگی بے ہنگم ہو جاتی ہے۔

صحابہ کی ایک خاص علامت امتیاز

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود یہ ان کی خاص علامت امتیاز کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان نمایاں ہیں۔ الفاظ سے یہ بات صاف نکل رہی ہے کہ یہاں وہی نشان مراد ہیں جو کثرت سجود سے پیشانی پر پڑ جاتے ہیں اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ نشان بہت محبوب ہیں یہاں تک کہ وہ چاہتا ہے کہ اس دنیا کے اندر یہ امت اسی نشان سے دوسری امتوں کے مقابل میں پہچانی جائے۔ یہ ساری باتیں الفاظ قرآن سے واضح ہیں اس وجہ سے ہم ان لوگوں کی رائے صحیح نہیں سمجھتے جنہوں نے ان الفاظ کو ان کے ظاہر معنی سے ہٹا کر ان کے مجازی معنی لینے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ بعض لوگ محض ریا کے لیے بھی اپنی پیشانی پر گھٹا ڈالنے کی کوشش کرتے ہوں گے لیکن محض اس بنا پر کہ کچھ

لوگوں کے گھٹنے محض نمائشی ہوتے ہیں اہل ایمان کے اس عظیم نشان امتیاز کے وقعت کم نہیں کی جاسکتی۔ ریا کا امکان جس طرح اس چیز کے اندر ہے اسی طرح دین کے ہر اعلیٰ وادنیٰ کام میں ہو سکتا ہے۔
بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر (رض) نے بعض لوگوں کو ٹوکا کہ انھوں نے اپنی پیشانیوں پر گھٹے نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت عمر (رض) لوگوں کے حالات سے بہت باخبر تھے۔ اگر انھوں نے کسی شخص کو اس طرح کی کسی بات پر تنبیہ کی تو مسلمانوں کے ایک مربی و معلم ہونے کی حیثیت سے ان کا یہ حق تھا اور اس کا ایک محل ہے۔ اس سے امت کے اس نشان امتیاز کی بے وقعتی نہیں ہوتی جس کا آیت زیر بحث میں حوالہ ہے۔
پیشین گوئیوں میں یہود کی تحریفات
ذلک مثلھم فی التوٰرۃ یعنی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کی یہ تمثیل توراۃ میں بیان ہوئی ہے۔ یہ اشارہ ان پیشین گوئیوں کی طرف ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کے باب میں توراۃ، زبور اور یسعیاہ نبی کے صحیفوں میں ہیں اگرچہ یہود نے قطع و برید کر کے ان کو بالکل مسخ کر دیا ہے اور مسخ کرنے کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جن الفاظ کی نسبت بھی ان کو گمان ہو جاتا ہے کہ مسلمان ان کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں ان پر فوراً تحریف کی قینچی چلا دی جاتی ہے۔ تاہم آج بھی توراۃ اور انجیل دونوں میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کا مصداق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ مثلاً استثنا باب ۳۳، ۲ میں ہے :
"خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔"
اس پیشین گوئی کا مصداق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا ظاہر ہے کہ دوسرا نہیں ہو سکتا اس میں جبل فارن کا ذکر بھی ہے اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آپ کے نمودار ہونے کا صریح الفاظ میں حوالہ بھی ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں قرآن نے اس پیشین گوئی کا حوالہ مسلمانوں کے غلبہ و تمکن ہی کے پہلو سے دیا ہے اور یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے۔
یہ تو صرف خدائے علام الغیب وہی کو علم ہے کہ اس پیشین گوئی میں کتنی تحریفیں ہو چکی ہیں لیکن ایک تازہ مثال اس میں تحریف کی یہ ہے کہ "دس ہزار قدوسیوں" کے الفاظ جو اس میں وارد ہیں اب بعض نسخوں میں بدل کر وہ "دس لاکھ" کر دیئے گئے ہیں جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان اس کو فتح مکہ پر منطبق نہ کر سکیں۔ تاہم اس پر اچھی طرح غور کیجیے تو اس میں ان تمام باتوں کی طرف اشارہ ہے جن کا قرآن نے حوالہ دیا ہے۔
اس میں دس ہزار قدوسیں کا حوالہ ہے۔ قدوسیوں سے مراد ظاہر ہے کہ پاکیزہ صفات نیک نہاد، خداترس اور عبادت گزار بندے مراد ہیں۔ قرآن میں اس کی جگہ ترٰھم رکعا سجداً۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کے ال فاظ ہیں۔ اب یا تو یہ ہوا ہے کہ قرآن نے توراۃ کے لفظ قوسیوں، کو قدوسیوں کی صفات بیان کر کے اچھی طرح شناخت کرا دی ہے تاکہ اہل کتاب پہچان لیں کہ جن قدوسیوں کا ان صحیفوں میں ذکر آیا ہے وہ یہی لوگ ہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہیں اور جو عنقریب دس ہزار کے لشکر کی صورت میں ظاہر ہو کر اس پیشین گوئی کی تصدیق کر دیں گے۔ یا پھر یہ ہوا ہے کہ توراۃ میں بھی یہ تمام صفات بیان ہوئی ہوں لیکن یہود نے جس طرح آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متعلق دوسری پیشین گوئیوں کو چھپانے کی کوشش کی اسی طرح یہاں بھی تمام صفات کو غائب کر کے قدوسیں، کا لفظ رکھ دیا تاکہ اس کی تاویل اپنے منشا کے مطابق کر سکیں۔ امکان ان دونوں ہی باتوں کا ہے لیکن کوئی منصف اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ توراۃ کی اس پیشین گوئی کے مصداق ہو سکتے ہیں تو صرف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ ہی ہو سکتے ہیں۔
دوسری خاص بات جو اس پیشین گوئی میں ہے وہ یہ ہے کہ "اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔" آتشی شریعت "ہمارے نزدیک تعبیر ہے اس مضمون کی جو قرآن میں اشدآء علی الکفار کے الفاظ سے بیان ہوا ہے۔ اس کی وضاحت حضرت مسیح (علیہ السلام) نے اپنے الفاظ میں یوں فرمائی ہے کہ "اس کے ہاتھ میں (یعنی پیغمبر خاتم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں) اس کا چھاج ہوگا، وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا، دانے کو بھس سے الگ رہے گا پھر دانے کو محفوظ کرے گا اور بھس کو جلا دے گا۔"

یہی حقیقت حضرت مسیح (علیہ السلام) نے دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرمائی ہے :

'جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دی دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ " متی باب 21، 45-33

کتاب استثنا کی مذکورہ بالا پیش گوئی میں یہ الفاظ بھی ہیں :

" وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے متفیض ہوگا۔ '3

خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ ترجمہ نے کلام کے رخ کو مبہم بنا دیا ہے تاہم یہ وہی بات فرمائی گئی ہے جس کا سراغ قرآن نے ترٰلھم رعاً سجداً ایبتغون فضلا من اللہ رضواناً کے الفاظ میں دیا ہے۔

انجیل کی تمثیل کا حوالہ

ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطئہ ناز رہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار تورات کی تمثیل کے بعد یہ انجیل کی تمثیل کا حوالہ ہے۔ تورات کی تمثیل میں اہل ایمان کے زہد و تبتل ان کے غلبہ و تمکن اور امتوں کے ساتھ ان کے عدل اور رحم کی تصویر ہے۔ انجیل کی تمثیل میں ان کے تدریجی ارتقاء کو نمایاں فرمایا گیا ہے کہ ان کی ابتداء اگرچہ نہایت کمزور ہوگی لیکن بالآخر وہ ایک ایسے تناور درخت کی شکل اختیار کریں گے کہ ان کے سایہ میں بڑی بڑی قومیں پناہ لیں گی۔ متی باب 13: 9-3 میں یہ تمثیل یوں بیان ہوئی ہے :

"اس نے ایک اور تمثیل پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے لیکن جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں میں بسیرا کرتے ہیں۔"

اسی تمثیل کی اسلام کے تدریجی

یہ تمثیل معمولی تغیر الفاظ کے ساتھ مرقس باب ۴ اور لوقا باب ۸ میں بھی آئی ہے۔ اسی تمثیل کی قرآن نے یوں وضاحت فرمائی کہ جو حال کھیتی کے نشو ونما کا ہوتا ہے وہی حال اسلام کے تدریجی عروج و کمال کا ہوگا، کھیت میں جو دانے بوئے جاتے ہیں اول اول وہ باریک سوئیاں سی نکالتے ہیں پھر ان کو مزید سہارا ملتا ہے جس سے سوئیاں موٹی اور قوی ہو جاتی ہیں اور کھیتی اپنے تنہ پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک دن آئے گا کہ جو تخم حق عرب کی سرزمین میں بویا گیا ہے اس کی فصل شباب پر آئے گی جو اپنے بونے اور آبیاری کرنے والوں کے دلوں کو تو وہ موہ لے گی اور ساتھ ہی ان لوگوں کے دلوں کو غم و غصہ سے جلائے گی جنھوں نے اس کے نشو و نما کو روکنے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

لیغبض بھم الکافر میں 'ل' غایت و انجام کے ظہار کے لیے ہے اور لفظ کفار تمثیل کے اصل مفہوم پر روشنی ڈال رہا ہے۔ تمثیل میں یہاں مراد چونکہ اہل ایمان ہیں اس وجہ سے آخر میں یہ ظاہر کر کے ان کا عروج بالآخر ایک دن کفار کے لیے باعث حسرت و حسد ہوگا گویا اس تمثیل کے ممثل کو ظاہر کر دیا۔ عربی زبان میں تمثیلات و استعارات کے اندر یہ طریقہ معروف ہے کہ آخر میں کسی لفظ کے ذریعہ سے تمثیل یا استعارے کے ممثل یا مستعار لہ کو وضاح کر دیتے ہیں تا کہ اصل مدعا واضح ہو جائے۔ سورۃ نور والی تمثیل میں اس کی نہایت واضح مثال موجود ہے۔

وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرۃ واجر عظیماً ،

یہ آخر میں اسی وعدہ نصرت و مغفرت کی بشارت ہے جس کے اثبات کے لیے تورات و انجیل کی پیشین گوئیوں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ ان صفات کے مصداق اور ایمان و عمل میں پختہ و راسخ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت اور اجر عظیم سے نوازے گا۔ رہے وہ لوگ جو ایمان کے مدعی تو بن بیٹھے لیکن ان کی ہمدردیاں اللہ و رسولک سے زیادہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ہیں اور جنھوں نے حدیبیہ کے موقع پر وہ کمزوری دکھائی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو وہ اس انجام سے دوچار ہوں گے جو اسلام کے مخالفوں کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

سورہ المائدہ۔۔۔ آیت ۵۴

آیت۔۔۔ ۵۴

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۚ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۴

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، 87 جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ 88 یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر تفہیم القرآن۔ مولانا مودودی

سورۃالمَآئِدَۃ حاشیہ نمبر: 87

"مومنوں پر نرم" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہل ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے۔ اس کی ذہانت، اس کی ہوشیاری، اس کی قابلیت، اس کا رسوخ واثر، اس کا مال، اس کا جسمانی زور، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور ستانے اور نقصان پہنچانے کے لیے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ ایک نرم خو، رحم دل، ہمدرد اور حلیم انسان ہی پائیں۔
"کفار پر سخت" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن آدمی اپنے ایمان کی پختگی، دینداری کے خلوص، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان کے مانند ہو کہ کسی طرح اپنے مقام سے ہٹایا نہ جاسکے۔ وہ اسے کبھی موم کی ناک اور نرم چارہ نہ بنائیں۔ انھیں جب بھی اس سے سابقہ پیش آئے ان پر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا بندہ مر سکتا ہے مگر کسی قیمت پر بک نہیں سکتا اور کسی دباؤ سے دب نہیں سکتا۔

سورۃالمَآئِدَۃ حاشیہ نمبر: 88

یعنی اللہ کے دین کی پیروی کرنے میں، اس کے احکام پر عمل درآمد کرنے میں، اور اس دین کی رو سے جو کچھ حق ہے اسے حق اور جو کچھ باطل ہے اسے باطل کہنے میں انھیں کوئی باک نہ ہو گا۔ کسی کی مخالفت، کسی کی طعن و تشنیع، کسی کے اعتراض اور کسی کی پھبتیوں اور آوازوں کی وہ پروانہ کریں گے۔ اگر رائے عام اسلام کی مخالف ہو اور اسلام کے طریقے پر چلنے کے معنی اپنے آپ کو دنیا بھر میں نکو بنا لینے کے ہوں تب بھی وہ اسی راہ پر چلیں گے جسے وہ سچے دل سے حق جانتے ہیں۔

منافقین کی روش ارتداد کی روش ہے : خطاب بظاہر عام مسلمانوں سے ہے لیکن روئے سخن ان منافقین ہی کی طرف ہے جن کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ اپنے دین کی خدمت کے لیے ایسے ایسے لوگوں کو کھڑا کرے گا جو ۔۔ اس سے یہ حقیقت آپ سے آپ ظاہر ہو گئی کہ ان کی یہ روش دین سے ارتداد کی روش ہے۔ اگر اس تنبیہ کے بعد بھی اس سے باز نہیں آنا چاہتے تو جائیں مرتد ہو جائیں، خدا کو ان کی کوئی پروا نہیں۔ اس طرح کے جملوں میں عربیت کے قاعدے کے مطابق جواب شرط محذوف ہوتا ہے جو سیاق کلام سے واض حہوتا ہے۔ ہم نے ترجمے میں اس محذوف کو کھول دیا ہے۔
منافقین کے سامنے ایک آئینہ : فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ ان صفات کے بیان سے مقصود ایک تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں اپنے دین کا گواہ اور علم بردار بنا کر کھڑا کرتا ہے ان کی صفات کیا ہوتی ہیں یا کیا ہونی چاہئیں۔ دوسرا یہ کہ یہ منافقین ان صفات کے بالکل برعکس صفات کے حامل ہیں۔ گویا براہ راست ان کے عیوب گنانے کے بجائے ایک ایسا آئینہ رکھ دیا گیا ہے جس میں وہ اپنے سارے عیوب خود دیکھ سکتے ہیں۔ یہ اظہار حقیقت کا ایک نہایت بلیغ اسلوب ہے جو قرآن میں بہت استعمال ہوا ہے۔
دین علم برداروں کی پسندیدہ صفات : يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ، (ان سے خدا محبت کرے گا اور وہ خدا سے محبت کریں گے) اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ ان منافقین سے نہ خدا محبت کرتا نہ یہ خدا سے محبت کرتے بلکہ خدا ان سے نفرت کرتا ہے اور یہ خدا سے بیزار و بے پروا ہیں خدا کی محبت کسی کے نام و نسب، شکل و صورت اور مال و جاہ سے نہیں بلکہ ایمان و عمل اور اخلاق و کردار سے ہوتی ہے۔ جب اس اعتبار سے یہ نہ صرف صفر بلکہ خدا کی پسندیدہ صفات کے بالکل برعکس صفات سے متصف ہیں تو یہ خدا کی محبت کے حقدار کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح خدا سے محبت کی شہادت یہ ہے کہ یہ خدا کے احکام و ہدایات اور اس کے نبی کے طریقہ اور فیصلہ کے پابند ہوں لیکن جب یہ اللہ کے فیصلہ کو چھوڑ کر جاہلیت کے فیصلہ کے طالب اور اللہ و رسول اور اہل ایمان کو دوست بنانے کے بجائے اللہ و رسول کے مخالفین یہود و نصاری اور کفار سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں تو خدا سے بیزار ہونے کی اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ پر آل عمران آیت 31 ' ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ' کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ، اذلۃ، ذلیل کی جمع ہے۔ عربی میں یہ لفظ، جیسا کہ آل عمران کی آیت 123 کے تحت ہم بتا چکے ہیں، اچھے اور برے دونوں معنوں میں آتا ہے۔ جب یہ اچھے معنوں میں آتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی نرم خو، نرم مزاج، فرمان بردار، متواضع اور سہل الانقیاد کے ہوتے ہیں۔ ' ذلول ' کا لفظ بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ فرمان بردار اونٹنی کو ناقہ ' ذلول ' کہتے ہیں۔ ' اعزۃ ' عزیز کی جمع ہے۔ یہ لفظ بالکل ' ذلیل ' کے مقابل لفظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے معنی ہیں سخت، شکل، بھاری، ناقابل شکست، ناقابل عبور، عسیر الانقیاد، اگر کسی چیز کے متعلق کہیں کہ ھو عزیز علی تو اس کے معنی ہوں گے کہ وہ چیز مجھ پر بھاری اور مشکل ہے۔ اس کو رام کرنا اور قابو میں کرنا میرے لیے دشوار ہے۔ یہی مفہوم شدید علی کا بھی ہوتا ہے کسی حماسی کا نہایت عمدہ شعر ہے۔

اذا المرء اعیته المروۃ ناشئا۔ فمطلبها کھلا علیہ شدید

اگر اٹھتی جوانی میں اولوالعزمی پیدا کرنے سے آدمی قاصر رہ جاتا ہے تو ادھیڑ پن میں اس کا حاصل مفہوم کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے تو وہ نہایت نرم خو، بھولے بھالے اور ہر پہلو سے لچک قبول کرنے والے اور ہر سانچے میں ڈھل جانے والے ہوں گے لیکن کافروں کے لیے وہ پتھر کی چٹان ہوں گے۔ وہ اگر اپنے اغراض و مقاصد کے لیے ان کو استعمال کرنا چاہیں گے تو کہیں سے انگلی دھنسانے کی جگہ نہ پا سکیں گے۔ مسلمانوں کی یہی تعریف ایک حدیث میں بھی وارد ہے۔ المومن غر کریم۔ مومن اپنے دوسرے بھائی کے لیے بھولا بھالا اور شریف و کریم ہوتا ہے۔ سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ ' کبوتر کے مانند بے آزار اور سانپ کے مانند ہوشیار بنو ' اس میں بھی یہی دونوں پہلو ملحوظ ہیں۔ ان صفات کے بیان سے بھی مقصود، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، منافقین کے کرار پر عکس ڈالنا ہے جو بالکل اس کے برعکس واقع ہوا تھا یعنی وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے تو بڑے ہوشیار اور گھاگھ تھے، پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے تھے لیکن یہود اور مشرکین کے ہاتھوں میں موم کی ناک اور کٹھ پتلی تھے۔ وہ جس طرف چہاتے ان کو موڑتے اور جس طرح چاہتے ان کو نچاتے۔ اس مضمون پر تفصیلی انشاء اللہ سورۃ فتح کی آیت محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم

(محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابل میں سخت اور آپس میں مہربان و نرم دل ہیں) کے تحت آئے گی۔ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ، جہاد سے مطلب یہاں صرف قتال ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ جدوجہد ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے کی جائے۔ اس میدان میں اترنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام دوسرے مفادات اور دوسری دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اور دوسروں کی نصیحتوں اور ملامت گروں کی نصیحتوں اور ملامتوں کو بھی اہمیت دے گا وہ اگر ایک قدم آگے بڑھائے گا تو دو قدم پیچھے ہٹائے گا۔ عرب شعراء جب اولوالعزمی، بہادری اور فیاضی کا مضمون باندھتے ہیں تو اس کی تمہید میں ملامت کرنے والیوں کی ملامت کا ذکر ضرور کرتے ہیں اس لیے کہ اس راہ کی یہ سب سے پرانی اور ناگزیر آفت ہے، ممکن نہیں ہے کہ آدمی کوئی عزم و جزم کا کام کرنے اٹھے اور دہنے بائیں سے کچھ ناصح اور کچھ ملامت گر دامن گیر نہ ہو جائیں۔ یہ اس راہ کی پہلی آزمائش ہوتی ہے اگر کوئی آدمی دامن جھٹک کے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو تو اکثر وہ اس سے پہلے ہی مرحلے میں مار کھا جاتا ہے۔ اس صفت کے بیان کرنے سے بھی مقصود منافقین کے کردار پر عکس ڈالنا ہے کہ مدعی تو یہ بنے ہیں ایمان کے اور قدم رکھا ہے انھوں نے عشق کے کوچے میں لیکن پیچھے کے مفادات بھی دامن گیر ہیں۔ مستقبل کے خطرات سے بھی ہوش اڑے جارہے ہیں اور پوری فراخدلی اور نیاز مندی کے ساتھ ان ہمدردوں اور ملامت گروں کی نصیحتوں کا احترام بھی انھیں ملحوظ ہے جن کے پھندوں میں گرہ شیطان نے لگائی ہے اور جن سے بچ کے نکل جانا بڑے ہی صاحب توفیق کا کام ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ، یعنی اللہ کا اصل فضل یہ ہے جس کے سزاوار وہ بنتے ہیں جن کو وہ چاہتا ہے، ' جن کو وہ چاہتا ہے سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی سنت کے مطابق اس کے اہل ٹھہرتے ہیں۔ یہ بات ہم ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ خدا کی مشیت اس کی کامل قدرت اور اس کے کامل علم و حکمت کے ساتھ ہے اور جہاں مشیت کامل قدرت اور کامل علم و حکمت کے ساتھ ہو وہاں کسی حق تلفی و ناانصافی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ مشیت کے بیان کے ساتھ۔ واللہ واسع علیم کی صفات کا حولہ دینے سے مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر اس وقت مسلمانوں کے اندر ان صفات کے حامل بھی تو موجود تھے بلکہ اکثریت ان صفات کے حاملین ہی کی تھی تو قرآن نے یہ کیوں کہا کہ خدا ایسے لوگوں کو لائے گا' ان لوگوں کا حوالہ کیوں نہ دیا جا موجود تھے اور ان صفات کے بہترین حامل تھے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں خطاب اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے عام ہے لیکن روئے سخن اصلاً منافقین ہی کی طرف ہے۔ ان سے یہ کہا جارہا ہے کہ اگر تم مرتد ہو گئے تو خدا کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، خدا تمہاری جگہ اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کرے گا جو ایمان کے تقاضے پورے کرنے کے لیے تمام اعلی صفات سے متصف ہوں گے۔ گویا یہ فرما کر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مومنین مخلصین کے اس غم کو دور کیا گیا ہے جس کا ذکر اوپر لایحزنک الذین یسارعون الی الکفر والی آیت میں ہوا ہے کہ پیغمبر اور اہل ایمان ان منافقین کی کفر دوستی سے غم گین نہ ہوں۔ اگر یہ نکل گئے تو ان کے نکل جانے سے اللہ کے دین کا کچھ نہیں بگڑے گا، ان کی جگہ اللہ اپنے دین کی خدمت کے لیے دوسری تازہ دم فوج لے آئے گا جو ان تمام کمزوریوں اور بیماریوں سے پاک ہو گی جو ان کے اندر موجود ہیں۔